توحید و رسالت سے متعلق ترجمان القرآن اور تبیان الفرقان کے کلامی مباحث کا تقابلی جائزہ

A Comparative analysis of Theological discourses of Tarjaman ul Quran and Tibyan ul Furqan about Monotheism and prophethood

*حافظ شوکت علی

**سعید احمد سعیدی

Abstract

The system of the universe enforces us to think about-faces its creator who place everything beautifully, cherish our souls with light of unification. Verily, Allah Almighty the one runs every system, the lord of life and death. Monotheism is a unique concept of Islām which a Muslim should subscribe to. Nothing rests in faith because of disbelieving this concept. We can find our self-recognition for having only one worshiper to whom we should bow before. Faith for only one God provide us rewards not in hereafter but in this world too. This study demonstrates the faith's most fundamental subject "oneness of God". It also describes its importance, benefits for the human beings and its need as well.

Keywords: Universe, Theological discourses, comparative study, monotheism, Islam

مولانا ابوالکلام آزاد کی ترجمان القرآن، تفسیر قرآن کے ذخیرہ میں ایک ایسا اضافہ ہے جو رہتی دنیا تک اپنی اہمیت کو منواتا رہے گا۔ اِس تفسیر میں مولانا آزاد نے نہ صرف آیات کی ضروری تفسیر کی ہے، بلکہ علم العقائد کے حوالے سے انتہائی اہم تشریحات پیش کی ہیں۔ علم العقائد میں سے دو انتہائی اہم موضوع توحید باری تعالیٰ اور نبوت و رسالت ہیں۔ جن کو مولانا آزاد نے عقلی دلائل سے نہایت حسن و خوبی سے ثابت کیا ہے۔ اس حوالے سے نہ صرف انھوں نے عقلی دلائل دیے ہیں، بلکہ ادیانِ عالم کے پیروکاروں کے ارتقائی نظریات بھی بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ عقیدۂ توحید اور عقیدۂ نبوت و رسالت کو انھوں نے درج ذیل نکات کے تحت عقلی دلائل سے ثابت کرنے کی کامیاب کاوش کی ہے۔ مثلاً:

نظامِ ربوبیت سے وحی و رسالت کی ضرورت پر استدلال۔ نظامِ ربوبیت سے توحید پر استدلال۔ عدلِ الٰہی اور بعثتِ رسل۔ اختلاف، دین میں نہیں، شرع و منہاج میں ہوا اور یہ ناگزیر تھا۔ جو سلسلۂ وحی کا مخالف ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے قوانینِ ہدایت کا مخالف ہے۔ وحی و نبوت کی راہ علم و یقین کی راہ ہے۔ خدا کی ہستی کے اعتقاد کے حوالے سے انسانی فطرت کی اصلی صدا بلٰی ہے نہ کہ

* ریسرچ اسکالر مجلس الادراک العلمی ٹرسٹ، لاہور۔

** اسسٹنٹ پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

انکار۔ پیروانِ مذاہب اگرچہ توحید ربوبیت کے معترف ہیں، لیکن توحید الوہیت میں کھو گئے۔ توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال۔ توحید فی العبادت۔ الوہیت مسیح کا ردّ۔ منکرینِ نبوت کا استغراب کہ ایک آدمی کو نبی کیسے مان لیا جائے۔ حضور ﷺ کی نبوت کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل قرآن مجید ہے۔ نبوت خدا کی ایک وہبی چیز ہے۔ انبیا ذاتی اغراض سے پاک ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ، لیکن ان میں سے جو سب سے زیادہ اہم ہیں وہ درج ذیل ہیں:

توحید سے متعلق مولانا آزاد کی ذکر کردہ اہم ابحاث

مولانا ابوالکلام آزاد کی شہرت ویسے تو ایک ادیب اور انشا پرداز کی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ فلسفہ الٰہیات کے بہت بڑے عالم مانے جاتے ہیں۔ مولانا آزاد نے ویسے تو ہر شعبہ علم میں آنے والوں کے لیے گوہر نایاب چھوڑے ہیں، لیکن ترجمان القرآن کی صورت میں جو تحفہ وہ امت کو دے کر گئے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ تفسیر ویسے تو صرف تین جلدوں پر مشتمل ہے، لیکن اس میں علامہ آزاد نے وہ سب کچھ سمو دیا ہے جس کی ضرورت تھی۔ اس میں مولانا آزاد کا اندازِ تفسیر عام مفسرین سے ہٹ کر ہے۔ اس میں مولانا آزاد نے جو طریقہ استعمال کیا ہے وہ ایک سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے، بالخصوص سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں جو انھوں نے اپنے متکلم ہونے کا ثبوت پیش کیا ہے، وہ واضح طور پر قاری کو نظر آتا ہے۔

اِس مقالے میں ہمارا مطمع نظر مولانا آزاد کے کلامیات سے متعلق یہ بیان کرنا ہے کہ انھوں نے کلامی مباحث میں علامہ سعیدی سے کیسے منفرد کام کیا ہے اور اس حوالے سے اُن کا اندازِ تفسیر کیسا ہے؟

نظامِ ربوبیت سے توحید و رسالت پر استدلال

سب سے منفرد چیز یہ ہے کہ مولانا آزاد نے قرآن پاک کی سورۃ فاتحہ کی آیت نمبر ایک:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[1]

سب تعریفیں اللہ کے لیے جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کا

کی تفسیر میں لفظ 'رب' سے کلامیات کے تین بنیادی مباحث توحید، رسالت اور معاد کو بڑے احسن انداز میں پیش کیا ہے اور اس ایک لفظ سے تینوں اُمور کو ثابت کیا ہے۔ مثلاً وہ نظام ربوبیت سے توحید پر استدلال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> جو رب العالمین تمام کائنات کی پرورش کر رہا ہے اور جس کی ربوبیت کا اعتراف تمھارے دلوں کے ایک ایک ریشے میں موجود ہے، اس کے سوا کون اس کا مستحق ہو سکتا ہے کہ بندگی و نیاز کا سر اس کے آگے جھکایا جائے؟""[2]

اسی طرح نظامِ ربوبیت سے رسالت کی ضرورت پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

1 الفاتحہ ۱:۱

2 آزاد، ابوالکلام، مولانا، ترجمان القرآن، (اسلامی اکیڈمی)، ۱:۹۱

''جس رب نے تمھاری پرورش کے لیے ربوبیت کا ایسا نظام قائم کیا ہے، کیا ممکن ہے کہ اُس نے تمھاری روحانی فلاح وسعادت کے لیے کوئی قانون، کوئی نظام اور کوئی قاعدہ مقرر نہ کیا ہو؟ جس طرح تمھارے جسم کی ضرورتیں ہیں، اسی طرح تمھاری روح کی بھی ضرورتیں ہیں، پھر کیونکر ممکن ہے کہ جسم کی نشوونما کے لیے تو اس کے پاس سب کچھ ہو، لیکن روح کی نشوونما کے لیے اُس کے پاس کوئی پروردگاری نہ ہو؟''[3]

اسی طرح نظامِ ربوبیت سے معاد پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جو چیز جتنی زیادہ نگرانی اور اہتمام سے بنائی جاتی ہے اتنی ہی زیادہ قیمتی استعمال اور اہم مقصد رکھتی ہے اور بہتر صنّاع وہی ہے جو اپنی صنعت گری کا بہتر استعمال اور مقصد رکھتا ہو۔ پس انسان جو کرّہ ارض کی بہترین مخلوق اور اُس کے تمام سلسلہ خلقت کا خلاصہ ہے اور جس کی جسمانی اور معنوی نشوونما کے لیے فطرتِ کائنات نے اس قدر اہتمام کیا ہے، کیونکر ممکن ہے کہ محض دنیا کی چندروزہ زندگی کے لیے ہی بنایا گیا ہو اور کوئی بہتر استعمال اور بلند تر مقصد نہ رکھتا ہو؟ اور پھر اگر خالق کائنات رب ہے اور کامل درجے کی ربوبیت رکھتا ہے تو کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنے ایک بہترین مربوب کو محض اس لیے بنایا ہو کہ مہمل اور بے نتیجہ چھوڑ دے؟[4]

اِس طرح مولانا آزاد نے صرف ایک آیت سے تینوں چیزوں کو ثابت کیا ہے۔

توحید کا قرآنی تصور

دوسری اہم بحث جو انھوں نے کی ہے وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا جو تصور قرآن نے دیا ہے، وہ خاص اور عام دونوں کے لیے ایک ہے، جب کہ اس سے پہلے دوسرے ادیان میں خواص کے لیے خدا کے اوصاف کچھ اور تھے اور عوام کے لیے کچھ اور۔ اس حوالے سے وہ سورۃ فاتحہ کی آیت

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾[5]

تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں

کے تحت لکھتے ہیں:

قرآن سے پہلے علوم وفنون کا مذہبی عقائد میں بھی خواص وعام کا امتیاز ملحوظ رکھا جاتا تھا اور خیال کیا جاتا تھا کہ خدا کا ایک تصور تو حقیقی ہے اور وہ خواص کے لیے ہے اور ایک تصور مجازی ہے اور وہ عوام کے لیے ہے، چنانچہ ہندوستان میں خداشناسی کے تین درجے قرار دیے گئے۔ عوام کے لیے دیوتاؤں کی پرستش، خواص کے لیے براہ راست خدا کی پرستش اور اخص الخواص کے

---

3 ایضاً، ص ۹۲

4 آزاد، ابوالکلام، مولانا، ترجمان القرآن، ۱: ۹۴

5 الفاتحہ ۱: ۴

لیے وحدت الوجود کا مشاہدہ۔ یہی حال فلاسفہ یونان کا تھا۔ وہ خیال کرتے تھے کہ ایک غیر مرئی اور غیر مجسم خدا کا تصور صرف اہل علم و حکمت ہی کر سکتے ہیں۔ عوام کے لیے اسی میں امن ہے کہ دیوتاؤں کی پرستاری میں مشغول رہیں، لیکن قرآن نے حقیقت و مجاز یا خاص و عام کا کوئی امتیاز باقی نہ رکھا۔ اس نے سب کو خدا پرستی کی ایک ہی راہ دکھائی اور سب کے لیے صفات الٰہی کا ایک ہی تصور پیش کر دیا۔ وہ حکما و عُرفا سے لے کر جہال و عوام تک سب کو حقیقت کا ایک ہی جلوہ دکھاتا ہے۔ اس کا تصور جس طرح ایک حکیم و عارف کے لیے سرمایہ تفکر ہے، اسی طرح ایک چرواہے اور دہقان کے لیے سرمایہ تسکین۔"[6]

انسان کا تصورِ خدا

تیسری اہم بحث جو انھوں نے کی ہے وہ ہے انسان کا خدا کے بارے میں تصور۔ اِس حوالے سے انھوں نے بڑی تفصیل کے ساتھ ابتدائی مختلف مذاہب کے لوگوں کے خدا کے بارے میں اور اُس کی صفات کے بارے میں جو ارتقائی تصورات ابھرتے ہیں، اُن کو تاریخی لحاظ سے بیان کیا ہے۔ اس حوالے سے انھوں نے جو اہم بات کی ہے وہ یہ ہے کہ اس کائنات میں ہر چیز ارتقائی عمل کے ذریعے نچلی سطح سے اوپری سطح کی طرف بڑھتی ہے اور اپنے ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی کامل اور اکمل درجے تک پہنچتی ہے، لیکن خدا کے بارے میں انسان کے جو تصورات ہیں ان میں یہ ارتقائی عمل دکھائی نہیں دیتا، بلکہ یہاں مسئلہ اس کے الٹ دکھائی دیتا ہے اور بجائے خدا کے بارے میں انسان کے تصورات کامل ہونے کے وہ اسفل ہوتے جاتے ہیں۔ اس حوالے سے مولانا آزاد لکھتے ہیں:

> جب ہم انسان کے تصوراتِ الوہیت کا ان کے مختلف عہدوں میں مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان کے تغیرات کی رفتار کچھ عجیب طرح کی دکھائی دیتی ہے اور تعلیل و توجیہ کے عام اصول کام نہیں دیتے۔ موجودات خلقت کے ہر گوشہ میں تدریجی ارتقا کا قانون کام کرتا ہے اور انسان کا جسم بتدریج ترقی کرتا ہوا نچلی کڑیوں سے اونچی کڑیوں تک پہنچا۔ اس طرح اُس کے دماغی تصورات بھی نچلے درجوں سے بلند ہوتے ہوئے بتدریج اونچے درجوں تک پہنچے، لیکن جہاں تک خدا کی ہستی کے تصورات کا تعلق ہے معلوم ہوتا ہے کہ صورت حال بالکل اس کے برعکس رہی اور ارتقا کی جگہ ایک طرح کے تنزل کا قانون یہاں کام کرتا رہا۔ انسانی دماغ کا سب سے زیادہ پرانا تصور جو قدامت کی تاریکی میں چمکا وہ توحید کا تصور ہے، لیکن پھر اس کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس جگہ سے اس کے قدم بتدریج پیچھے ہٹنے لگے اور توحید کی جگہ آہستہ آہستہ اشراک اور تعددِ الٰہ نے لے لی۔ یعنی اب اس ایک ہستی کے ساتھ جو سب سے بالاتر ہے دوسری قوتیں بھی شریک ہونے لگیں اور ایک معبود کی جگہ بہت سے معبودوں کی چوکھٹوں پر انسان کا سر جھک گیا۔[7]

---

6 آزاد، ابوالکلام، مولانا، **ترجمان القرآن**، ۱: ۲۰۶

7 آزاد، ابوالکلام، مولانا، **ترجمان القرآن**، ۱: ۱۶۴

توحید اور نبوت ورسالت کے کلامی مباحث میں مولانا آزاد کا طریقہ تحریر کچھ اس طرح ہے کہ آپ ان ابحاث میں اپنی سوچ کو استعمال کرتے ہوئے اپنے ذہن رسا سے کام لے کر بحث کرتے ہیں اور اس موضوع سے متعلق متقدمین متکلمین کی کوئی رائے، کوئی بحث نقل نہیں کرتے، بلکہ قدما کے طریقۂ استدلال کو اختیار کرتے ہوئے خود مقدمہ بناتے ہیں اور خود ہی اُس کی تشریح کرتے ہیں اور یہ طریقۂ استدلال اُن کے متکلم ہونے کو ظاہر کرتا ہے اور یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اُن کا کلامی مباحث کو بیان کرنا غیر روایتی ہے اور وہ عام متکلمین سے ہٹ کر اندازِ تکلم اختیار کرتے ہیں۔

تبیان الفرقان علامہ سعیدی کے قلم سے نکلا ہوا وہ شاہ کار ہے جو آپ کی زندگی میں چار جلدوں میں شائع ہو چکا تھا اور آپ اس کی پانچویں جلد پر کام کر رہے تھے کہ آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ اب اس کا بقیہ کام علامہ اسماعیل نورانی صاحب کر رہے ہیں۔ یہ تفسیر علامہ سعیدی کی تفسیر تبیان القرآن کا خلاصہ ہے۔ تفسیر تبیان القرآن میں علامہ سعیدی نے امام رازی کی تفسیر کبیر سے استفادہ کیا تھا، جبکہ تفسیر تبیان الفرقان میں امام ابو منصور ماتریدی کی تفسیر 'تاویلات اہل السنہ' اور دیگر مفسرین احناف سے استفادہ کیا ہے۔ ویسے تو علامہ سعیدی کی شہرت بطور ایک محدث اور فقیہ کے ہے، لیکن اس تفسیر میں علامہ سعیدی نے اپنے متکلم ہونے کا بھی ثبوت دیا ہے۔ اس تفسیر میں علامہ سعیدی نے درج ذیل نکات کے تحت عقیدۂ توحید اور عقیدۂ رسالت کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کی سعی فاز کی ہے۔

۱۔ عقل سے غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کو جاننا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی الوہیت، توحید اور تخلیق پر دلائل۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے وجود اور صانع ہونے پر دلائل۔ ۴۔ شرک فی الالوہیۃ اور شرک فی الربوبیۃ کا بطلان۔

۵۔ اقانیم ثلاثہ کے متعلق اقوال۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر نباتات سے دلیل۔

۷۔ توحید پر دلیل کہ جو منعم اعظم ہو وہی عبادت کے لائق ہے۔ ۸۔ اللہ تعالیٰ کے واحد اور قدیم ہونے پر دلائل۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اعضا کے ثبوت کا محال ہونا۔ ۱۰۔ نبوت ورسالت پر دلیل۔

۱۱۔ عصمتِ انبیا پر دلائل۔ ۱۲۔ پیش گوئیوں کے سچا ثابت ہونے پر نبوت کا ثبوت۔

۱۳۔ نفس نبوت کے آٹھ خصائص۔ ۱۴۔ سیرتِ انبیا سے اُن کی رسالت کے برحق ہونے پر دلائل۔

۱۵۔ عورتوں کے نبی نہ بنائے جانے پر دلائل۔ وغیرہ وغیرہ

توحید سے متعلق علامہ سعیدی کی ذکر کردہ اہم ابحاث

تبیان الفرقان علامہ غلام رسول سعیدی کی تفسیر ہے۔ علامہ سعیدی کو اللہ تعالیٰ نے بڑے علم و فضل سے نوازا تھا۔ انھیں قرآن مجید کی دو تفسیریں لکھنے اور انھیں اپنی زندگی میں ہی مکمل کرنے کی سعادت عطا فرمائی گئی۔ اس کے علاوہ صحیحین کی شرحیں بھی آپ کے حصے میں آئیں۔ اپنی تفسیر تبیان الفرقان میں انھوں نے اپنی زندگی کا علم، تجربہ اور مطالعہ سب سمو دیا ہے اور اس جامعیت اور اختصار کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر اور ترجمہ کیا ہے کہ ہر طرح کا قاری اس سے یکساں طور پر مستفید ہو سکتا ہے۔

مدارس کے طلبا واساتذہ اور علما کے لیے ہی اس میں علمی و تفسیری مواد نہیں، بلکہ کالج اور یونیورسٹیوں کے شعبہ عربی واسلامیات کے طلبا اور پروفیسرز بھی بہ آسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔ علامہ صاحب نے اس میں نہایت وقیع علمی مواد فراہم کیا ہے۔ اس حوالے سے چند اہم مباحث جن پر علامہ سعیدی نے بحث کی ہے وہ تحریر کی جاتی ہیں۔

'شرک فی الربوبیۃ' پر شیخ ابنِ تیمیہ کے افکار کا تعاقب

سب سے زیادہ اہم بحث 'شرک فی الربوبیۃ' سے متعلق شیخ ابن تیمیہ کے افکار پر مصنف کا تعاقب ہے۔ شیخ ابن تیمیہ کے نزدیک شرک کی دو اقسام ہیں: ایک 'شرک فی الالوہیۃ' ہے اور دوسری قسم 'شرک فی الربوبیۃ' ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کفار اور مشرکین اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کا اقرار کرتے تھے اور اس میں شرک کرتے تھے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار نہیں دیتے تھے۔ مشرکین میں سے کسی کا ہرگز ہرگز یہ اعتقاد نہیں تھا کہ بت بارش برساتے ہیں اور تمام جہان والوں کو رزق دیتے ہیں۔ اُن کا شرک صرف یہ تھا کہ انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر کئی خود ساختہ خدا بنا لیے تھے اور ان سے وہ اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے محبت کرنی چاہیے۔

'شرک فی الربوبیۃ' پر شیخ ابن تیمیہ کے افکار کا رد کرتے ہوئے علامہ سعیدی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ شیخ ابن تیمیہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ مشرکین میں سے کسی کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں تھا کہ بُت بارش برساتے ہیں اور تمام جہان والوں کو رزق دیتے ہیں۔ اُن کا شرک صرف یہ تھا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کئی خود ساختہ خدا بنا لیے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ﴾[8]

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور بنایا اندھیروں کو اور نور کو، پھر بھی جنھوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ مشرکین عرب ربوبیت میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے تھے، لہٰذا ابن تیمیہ کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ دنیا میں آج تک کسی نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو ربوبیت میں شریک نہیں کیا۔[9]

رؤیتِ باری تعالیٰ کا امکان

دوسری اہم بحث اللہ تعالیٰ کے اس دنیا میں دکھائی دینے کے متعلق ہے، جس میں علامہ سعیدی نے معتزلہ اور جمہور اہلسنت کے مؤقف کو بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

8 الانعام ۶:۱

9 سعیدی، غلام رسول، علامہ، **تبیان الفرقان**، (لاہور: ضیاء القرآن پبلیکشنز، ۲۰۱۵ء)، ۲: ۲۶۴

﴿قَالَ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ﴾[10]

عرض کیا اے میرے رب مجھے دیکھنے کی قوت دے تاکہ میں تیری طرف دیکھ سکوں۔

جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔

اِس آیت سے معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال کرنا جائز نہیں۔

اس کے جواب میں علامہ سعیدی لکھتے ہیں:

اُن کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ مجھے دنیا میں ہرگز نہیں دیکھ سکتے یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس وقت مجھے نہیں دیکھ سکتے اور اس آیت میں 'لَنۡ' حرف تابید نہیں ہے کہ تم کبھی بھی مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا دنیا میں دکھائی دینا ممکن ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دکھائی دینے کو پہاڑ کے استقرار پر معلق کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے جلوہ فرما ہو جانے کے بعد پہاڑ کا اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنا محال نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پہاڑ میں ایسی طاقت پیدا فرما دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کے باوجود اپنی جگہ ٹھہرا رہے۔ لہٰذا پہاڑ کا اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنا ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دکھائی دینے کو پہاڑ کے اپنی جگہ استقرار پر معلق فرمایا ہے اور جو ممکن پر معلق ہو وہ بھی ممکن ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا اس دنیا میں دکھائی دینا ممکن ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال ناجائز نہیں ہے۔[11]

اللہ کا واجب اور قدیم ہونا

تیسری اہم بحث علامہ سعیدی نے اللہ تعالیٰ کے واجب اور قدیم ہونے کے متعلق کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ﴾[12]

وہ کہتے ہیں بنا لیا ہے رحمٰن نے (اپنے لیے) بیٹا — سبحان اللہ! (یہ کیونکر ہو سکتا ہے، بلکہ وہ تو (اس کے) معزز بندے ہیں۔

اِس آیت کی تفسیر میں علامہ سعیدی لکھتے ہیں:

اِس آیت سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے اولاد کی نفی فرمائی ہے، کیونکہ بیٹے کے لیے ضروری ہے کہ وہ باپ کے مشابہ ہو۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی چیز ضروری تھی جس کی وجہ سے وہ ان سے ممتاز ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں ایک مابہ الاشتراک ہوتا اور ایک مابہ الامتیاز ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ دو چیزوں سے مرکب ہوتا اور ممکن ہو جاتا۔

---

10 الاعراف ۷: ۱۴۳

11 سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان الفرقان، ۲: ۵۸۸

12 الانبیاء ۲۱: ۲۶

پس اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے کو ماننا اس بات کو مستلزم ہے کہ اللہ تعالیٰ ممکن ہو اور واجب نہ ہو اور جو ممکن ہو اور واجب نہ ہو وہ اِلٰہ نہیں ہو سکتا۔ اِلٰہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ واجب اور قدیم ہو۔ اس کا ہونا ضروری ہو اور نہ ہونا محال ہو۔"[13]

عصمتِ انبیا

چوتھی اہم بحث علامہ سعیدی نے عصمتِ انبیا کے حوالے سے کی ہے اور عصمت انبیا کو دلائل عقل و نقل کے ساتھ ثابت کیا ہے اس حوالے سے وہ سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۲۱:

﴿وَعَصٰىٓ اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾[14]

اور حکم عدولی ہو گئی آدم سے اپنے رب کی سو وہ بامراد نہ ہوا۔

کی تفسیر میں حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کو ثابت کرتے ہوئے پہلے مفسرین جن میں علامہ قرطبیؒ اور القاضی ابو بکر العربی کی آرا نقل کرتے ہیں اور پھر اُن آرا کی روشنی میں علامہ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جو اس آیت کی غلط تفسیر کی ہے، اس پر سید ابوالاعلیٰ مودودی پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> میں کہتا ہوں ہمارے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام نے حقیقت میں معصیت نہیں کی، بلکہ انھوں نے بھولے سے یا اجتہادی خطا سے درخت ممنوع سے کھایا، پھر اس پر نادِم ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام بلند کے لیے چن لیا۔۔۔۔۔۔۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ باقی مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں توجیہہ کی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کو ثابت کیا ہے اور اُن کی گناہ سے براءت کو بیان کیا ہے، جب کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت سے حضرت آدم علیہ السلام پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ اطاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے[15]

اس طرح علامہ سعیدی نے یہ چند اہم مباحث تحریر کی ہیں جو ان کے علم الکلام میں تفقہ کو ثابت کرتی ہیں۔

خلاصۂ بحث

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علم کلام اصول اسلام کی حفاظت کے لیے بمنزلہ ایک مضبوط قلعہ کے ہے۔ جس میں داخل ہو کر دشمنانِ اسلام کے حملوں اور الحاد اور دھریت اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کے تیروں سے محفوظ و مامون ہوا جا سکتا ہے۔ اس لیے ہر زمانہ کے علمائے اعلام اور ائمہ کرام نے عقائد اسلامیہ کے ثابت کرنے اور اسلام کی حفاظت کے لیے مضبوط قلعے کھڑے کر

13 سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان الفرقان، ۴: ۲۳۴

14 طٰہٰ ۲۰: ۱۲۱

15 سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان الفرقان، ۴: ۱۹۴

دیے ہیں۔

مولانا آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن اور علامہ سعیدی کی تبیان الفرقان انھی مضبوط قلعوں کی مثالیں ہیں۔ دونوں حضرات نے اپنی اپنی تفاسیر میں عقائد اسلام کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کی سعی فاز کی ہے۔ اس حوالے سے مولانا آزاد نے اسلام کے تینوں بنیادی عقائد عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت اور عقیدہ آخرت کو قرآن پاک کی سورہ الفاتحہ کی آیت نمبر ایک سے ہی برہان ربوبیت کے ذریعہ ثابت کر دیا ہے اور اس آیت میں موجود لفظ ربّ سے انھوں نے تینوں عقائد کو ثابت کیا ہے کہ وہ رب جو تمام کائنات کی پرورش کر رہا ہے اور جس کی ربوبیت کا اعتراف انسان کے دل کے ریشے ریشے میں موجود ہے، اس کے سوا کون اس کا مستحق ہو سکتا ہے کہ بندگی و نیاز کا سر اس کے آگے جھکایا جائے۔

اسی طرح وہ رب جو انسان کے جسم کی ضروریات پوری کر رہا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ رب ہو کر انسان کی روحانی ضروریات پوری نہ کرے۔ لہٰذا اسی مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ انبیا جاری فرمایا ہے۔

اسی طرح وہ ربّ کہ جس نے انسان کی جسمانی اور روحانی نشو و نما کے لیے اس قدر اہتمام کیا ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ سب کچھ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کے لیے ہی ہو اور اس کے پیچھے کوئی بلند تر اور اعلیٰ مقصد نہ ہو۔ لہٰذا یہ بات عقل قبول نہیں کرتی کہ اس بہترین رب نے اپنے بہترین مربوب کو محض اس لیے بنایا ہو کہ وہ اس کو بے نتیجہ چھوڑ دے جس کے لیے اس نے یہ سارا نظام کائنات تخلیق کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے اور اس کی توحید پر دلائل دینے کے حوالے سے قرآن کا اسلوب بیان یہ نہیں ہے کہ نظری مقدمات اور ذہنی مسلمات کی شکلیں ترتیب دے اور پھر اس پر بحث کر کے مخاطب کو ردّ و تسلیم پر مجبور کرے، اس کا تمام تر خطاب انسان کے فطری وجدان و ذوق سے ہوتا ہے، کیوں کہ خدا پرستی کا جذبہ انسانی فطرت کا خمیر ہے، اگر ایک انسان اس لیے انکار کرنے لگتا ہے تو یہ اس کی غفلت ہے اور ضروری ہے کہ اسے غفلت سے چونکا دینے کے لیے دلیلیں پیش کی جائیں، لیکن یہ دلیل ایسی نہیں ہونی چاہیے جو محض ذہن و دماغ میں کاوش پیدا کر دے، بلکہ ایسی ہونی چاہیے جو اس کے نہاں خانہ دل پر دستک دے اور اس کا فطری وجدان بیدار کرے تو پھر اثبات مدعا کے لیے بحث و تقریر کی ضرورت نہ ہو گی۔ خود اس کا وجدان ہی اسے مدعا تک پہنچا دے گا۔

قرآن مجید کے اسی اسلوب پر عمل کرتے ہوئے دونوں فاضل مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کو ثابت کرنے کے لیے مختلف دلائل دیے ہیں۔ اس حوالے سے دونوں کا انداز مختلف ہے۔

☆ مولانا آزاد کا انداز یہ ہے کہ وہ کسی بحث میں متقدمین اصولیین کے اقوال کا حوالہ نہیں دیتے، بلکہ وہ براہ راست اپنے ذہن سے مقدمات بناتے ہیں اور اس پر دلیل دیتے ہیں، جب کہ علامہ سعیدی کا انداز تحریر یہ ہے کہ وہ تقریباً تمام ابحاث میں پہلے سابقہ اصولیین کا کوئی نقطہ نظر پیش کرتے ہیں، بعد میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

☆ الوہیت کی ابحاث میں مولانا آزاد کا اندازِ تحریر اچھوتا ہے اور انھوں نے اس حوالے سے منفرد نکات اٹھائے ہیں۔ مثلاً نظامِ ربوبیت سے توحید پر استدلال، خدا کے وجود کے ثبوت میں انسان کے ارتقائی نظریات اور خواص اور عوام کے لیے خدا کا ایک ہی تصور وغیرہ، جب کہ علامہ سعیدی کا انداز تحریر اس حوالے سے روایتی ہے اور اس حوالے سے انھوں نے متقدمین کے اقوال پر زیادہ اعتماد کیا ہے اور اپنی رائے اور سوچ کا استعمال کم کیا ہے۔

☆ الوہیت کے حوالے سے مولانا آزاد کی ترجمان ایک تفسیر کی کتاب تو ہے ہی، ساتھ وہ ایک تاریخی کتاب بھی ہے، کیونکہ انھوں نے خدا کے بارے میں مختلف مذاہب کے تصورات کی ایک پوری تاریخ لکھ دی ہے، جب کہ تبیان الفرقان اس حوالے سے خاموش ہے۔

☆ نبوت ورسالت کی ابحاث میں بھی مولانا آزاد کی طرف سے اٹھائے گئے نکات منفرد ہیں۔ مثلاً سلسلہ وحی کی مخالفت اللہ تعالیٰ کے قوانین کی مخالفت ہے، نبوت کی راہ یقین کی راہ ہے، نبی کی زندگی ہی اس کی سچائی کی دلیل ہوتی ہے، پیغمبر روح اور دل کا طبیب ہوتا ہے اور بارش سے نبوت کی ضرورت پر استدلال وغیرہ، جب کہ تبیان الفرقان میں اٹھائے گئے نکات روایتی ہیں۔ مثلاً عصمتِ انبیا، معجزات انبیا، عورتوں کا نبی نہ بنایا جانا، نفس نبوت کے آٹھ خصائص وغیرہ۔ تاہم انبیا کی خطاؤں کے ذکر کی توجیہہ میں علامہ سعیدی نے سیر حاصل بحث کی ہے۔

الغرض دونوں فاضل مفسرین نے اسلام کے بنیادی عقائد کو عقلاً ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اگر آج کی نسل نو اپنی عقل سے کام لے تو وہ ان عقائد کو مخالفین اسلام کے سامنے ثابت کر سکتی ہے۔ تاہم دونوں حضرات کا اندازِ تحریر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ مولانا آزاد کا انداز فکر غیر روایتی ہے، وہ خود ہی مقدمات بناتے ہیں اور پھر اُن کو عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں، اس حوالے سے وہ متقدمین کے افکار نقل نہیں کرتے۔ پوری تفسیر میں انھوں نے کسی عقلی دلیل کے لیے کسی سابقہ متکلم کا نقطہ نظر پیش نہیں کیا۔ یہ چیز اگرچہ ان کے نقطہ نظر کی ثقاہت میں کمی کرتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ان کی عقل کے عُقاب ہمت کی پرواز کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ مولانا آزاد چوں کہ ایک منجھے ہوئے ادیب بھی تھے اس لیے اُن کا اندازِ تحریر ادیبانہ اور فصاحت و بلاغت کا مرقع ہے، جب کہ دوسری طرف علامہ سعیدی بنیادی طور پر ایک فقیہہ اور محدث تھے، اس لیے اُن کے انداز میں محدثانہ پن غالب ہے، اس لیے وہ ہر بات میں پہلے آثارِ حدیث اور آثارِ متکلمین لاتے ہیں اور پھر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ چیز اگرچہ اُن کے نقطہ نظر کو مضبوط کرتی ہے، لیکن ساتھ ساتھ اُن کے تفقہ فی الکلام میں کمزوری کا اظہار بھی کرتی ہے۔ اس لیے دونوں حضرات کے انداز تحریر واثبات کے اسلوب میں سے جس کے اسلوب نے مجھے متاثر کیا ہے، وہ مولانا آزاد کا اندازِ فکر ہے جو واقعی متکلمانہ بھی ہے اور ادیبانہ بھی۔ اس لیے میری نظر میں مولانا آزاد، علامہ سعیدی سے اس حوالے سے سبقت لے گئے ہیں اور مجھے وہ علم الکلام میں مجتہد نظر آئے ہیں۔